# قرآن اور بین الاقوامی تعلقات

عبداللہ امیری

## بین الاقوامی تعلقات کا علم:

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علوم کی طرح، مشاہداتی، تجرباتی تحقیقات و تجزیاتی، درجہ بندی (Classification) اور تعمیم وعمومیت (Generalization) کے قابل ہوتا ہے، نیز اس کا اپنا مخصوص نظام ہوتا ہے۔

قوموں کے درمیان ظاہری تعلقات، مشاہدے (Observation) کے قابل ہوتے ہیں، حالانکہ اس مشاہدے کی کیفیت اور درجے، مختلف واقعات کے لئے، الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن بہر حال ہم ان تعلقات کے آثار کا مشاہدہ کرنے پر قادر ہیں۔ ان تعلقات کا تجزیہ و تحلیل مختلف طریقوں سے ممکن ہے جیسے دستاویزوں کا مطالعہ، تاریخ، خاطرات اور سیاسی، اقتصادی واقعات و دستاویزات۔ علمی نظریات کے حصول کیلئے، واقعات کی ترتیب اور درجہ بندی (Classification) کرنا ہوگا اور اسی طریقے سے ہم، مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کے لئے، اصول اور دریافت شدہ نتائج (Findings)، ایک خاص نظام اور قوانین تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہت سے محققین مانتے ہیں کہ 'بین الاقوامی تعلقات' کا علم، ابھی اپنے ابتدائی مرحلے میں ہے، اور ابھی تک باقاعدہ علمی شکل وصورت اختیار نہیں کرسکا ہے، بلکہ فلسفہ، تاریخ اور ہنر کا امتزاج ہے، اس کے علمی اصول محدود اور جانچ کے قابل نہیں ہیں اور جو کچھ اس موضوع پر لکھا گیا ہے، زیادہ تر توصیفی صورت رکھتا ہے۔

شاید اس نظریہ کی وجہ یہ بات ہو کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد، بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین، مختلف علمی میدانوں سے، اس میدان میں کھنچ کر آئے ہیں اور یہ کوشش کی ہے کہ قوموں یا حکومتوں کے درمیان تعلقات کو علمی نظریات کے سایہ میں پیش کریں، لیکن ان کو اپنے کام میں کوئی کامیابی نہیں ملی۔ حقیقت میں، وہ لوگ رونما ہو چکے واقعات سے، ظاہری نتائج تک نہیں پہنچ سکے۔ مثال

کے طور پر کیا جنگ کے رونما ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟[۱]

## بین الاقوامی تعلقات — عملی رنگ وروپ

بہت سے مفکرین بین الاقوامی تعلقات کے علم کو عملی مرحلہ میں صفر مانتے ہیں، یعنی مستقبل کے حالات کی پیشین گوئی نہ کی جاسکنے کی وجہ سے، اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود دیگر محققین بین الاقوامی تعلقات کے بعض مقولات اور مباحث، علم کیمیا (Chemistry) اور طبیعیات (Physics) جیسے دقیق علوم کی طرح خالص علمی پہلو رکھنے اور سائنسی، ریاضی طریقوں کے ذریعے، مستقبل کے واقعات نیز ان کے پھیلاؤ کی حتمی پیشین گوئی کے امکان کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر، بین بر اعظمی اسٹریٹجک اسلحوں (Intercontinental Strategic Weapons) کے بارودخانوں کے نقصانات یا نیوکلیائی میزائیل (Nuclear Warhead Missile) کے دھماکوں کی طاقت کی حد اور شہروں نیز دشمن کے جمع ہونے کے مراکز کو مسمار کرنے کی ان کی طاقت اور پھیلاؤ کا حتمی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور سیاسی، دفاعی فیصلوں میں ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ فیصلوں کے صدور اور ان کے نفاذ اور قضاوت و انتخاب میں، انسان کی فطری اور طبعی محدودیت سامنے آتی ہے، لہٰذا استفادہ کی مطلوبہ حد مطلوب تک پہنچنا ایک نسبتی امر ہے، اور سیاست کے نقطہ نظر سے اعتباری ہے۔[۲]

## بین الاقوامی تعلقات اور دیگر علوم

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علمی، فلسفی اور تاریخی نظام سے مانوس ہونے کے ساتھ ساتھ، عالمی تعلقات کے منظرنامے پر، سیاسی اکائیوں کے طرز عمل کی تفتیش بھی کرتا ہے، اسی لئے سیاسی علوم کے میدان میں، زیادہ تر اپنے عام مفہوم میں پیش ہوتا ہے۔

لیکن مستقل یا یا برسر اقتدار کھلاڑیوں کے درمیان تعلقات صرف سیاسی تعلقات میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عالمی منظرنامے پر، بین الاقوامی تعلقات کے جہات، حکومتوں کی طاقت اور کردار کے سلسلے میں، سامنے آتے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات کا علم، تقریباً تمام سماجی علوم جیسے علم نفسیات (Psychology)، عمرانیات (Anthropolgy)، اقتصادیات، Economics جغرافیہ (Geography)، علم قانون (Law)، سیاسیات وسفارت کاری (Politics & Diplomacy)، ریاضی (Math)، علم طبیعیات

(Physics)، تاریخ(History)، ہنر(Art)، ادب(Literature) وغیرہ سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی لئے مغربی سیاسی زبان میں، اس کو ،بین شعبہ جاتیInterdisciplinary یا کثیر شعبہ جاتی Multidisciplinary علم کہتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو انسانی علوم کے مختلف شعبوں سے استفادہ کرتا ہے۔مثال کے طور پر جغرافیہ جو حکومتوں اورانسانوں کے برتاؤ پر طبعی ماحول کے اثرات کا مطالعہ کر ناہے ،ارضی سیاسیات(Geopolitics) میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور بعض ماہرین کی نظر میں، مختلف سیاسی اکائیوں(Units) کے در میان تعلقات پر تحقیق میں اس کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔علم قانون عام طور سے ، اور بین الاقوامی قانون خاص طور سے، بین الاقوامی تعلقات کی چھان بین میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، کیونکہ محدود کرنے والے معاہداتی دائرے ،قومی حکومت کے اقتدار کو معین کرتے ہیں۔ (جیسے سرحدوں کا تعین)اسٹراٹجک علوم بھی جو خود سیاسی علوم کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں ، بین الاقوامی تعلقات میں اہم مقام رکھتے ہیں،جس میں نیوکلیائی اسلحوں کے دور میں روک تھام،عالمی اور علاقائی سطح پر طاقت کے توازن پر ٹکنالوجی کے اثرات اور اس کا استعمال، عملی تحقیق، جنگ بازی وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں، زیادہ تر فکری خاکے (Models) یا ڈھانچے (framework) سے سروکار رہتا ہے۔ ان نمونوں یا ڈھانچوں کے اعتبار کی عمومیت (Generalization) کی صلاحیت ، علمی نظریات کی بہ نسبت کمزور ہوتی ہے اور صرف واقعات اور ان کے درمیان اسباب و نتائج کے ممکنہ تعلقات کے بہتر ادراک کے لئے ہیں۔یعنی حقیقت میں وہ شبہ نظریاتی ہیں نہ کہ عام اور کلی اصول۔ اسی وجہ سے ،بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے میں ،مختلف نظریات اورفکری مکاتبہمارے سامنے آتے ہیں۔مثلاً قدامت پسند (Traditionalist)، معاملاتی(Behaviourist)،حقیقت پسند (Realist)،اور مثالیت پسند(Idealist) افراد اور ہر ایک، بین الاقوامی تعلقات کے مباحث کو، اپنے اپنے نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔[۳]

## بین الاقوامی تعلقات— اصطلاح میں

بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح اپنی تمام صورتوں اور حالات میں ،عالمی منظرنامے یا قومی معاشرے کے افراد یا کھلاڑیوں کے درمیان تعامل و تبادل سے مرتبط ہوتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات

کے مطالعے میں ،خارجہ سفارت کاری (Foreign Diplomacy) یا اپنے عام مفہوم میں قوموں کے درمیان سیاسی طریقہ کار کا تجزیہ وتحلیل شامل ہے۔[۴]

بین الاقوامی تعلقات ، سرحد پار کرنے والے یا سرحد پار کرنے کا رجحان (Tendency) رکھنے والے تعلقات اور مسئلوں کا ایک مجموعہ ہے ۔دوسرے لفظوں میں 'سرحدوں کے پار جانے کو' بین الاقوامی تعلقات کا معیار اور مظہر ماننا چاہئے۔[۵]

یہ تعلقات ، سرحدوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا ہونے والے تمام حکومتوں، اشخاص، خصوصی اور عمومی گروپوں اور اداروں کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہے۔اس طرح ریمون آرون(Ramon Arwin) کے نظریہ کے مطابق،حکومتوں کی خارجہ پالیسیForeign Policy خود ان کے داخلی عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہونے کے علاوہ،عالمی سطح پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تعلقات کا ایک جال بناتی ہے،جو کہ ایک جہتی یا حکومتوں کے درمیان موجودہ حالات کے علاوہ نئے تعلقات پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے۔[۶]

## بین الاقوامی تعلقات کے علم کا فائدہ

بین الاقوامی تعلقات کے علم کے ذریعے (طاقت و اقتدار کے دائرہ اور اس کے اساسی اصول کے سلسلے میں کچھ معاملاتی قوانین(Behavioural Laws) کا علم حاصل کرنے کے بعد) رونما ہونے والے واقعات اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں زیادہ علمی طریقے اور حقیقت پسندانہ انداز سے قضاوت اور ان کا باقاعدہ منظّم (Systematic) طریقے سے تجزیہ وتحلیل کرسکتے ہیں، اور سیاست داں اس کے اور لازمی سفارتی(Diplomatic)مہارت کے ذریعے نہ صرف اپنے قومی مفادات کو حاصل کرسکتے ہیں، بلکہ بین الاقوامی منظرنامے پر اپنے ملک کی ساکھ کو بھی بڑھاسکتے ہیں۔ فیصلوں (Decisions) اور اقدامات (Measures)میں اصلاح ،ایک ملک کی ساکھ کو قلیل مدت(Short Term)میں بالکل چھوٹی طاقت سے چھوٹی طاقت،وسطی مدت میں متوسط طاقت اور لمبے عرصے(Long Term) میں ایک بڑی طاقت یا سوپر پاور(Super Power) میں بدل سکتے ہیں۔اس کے برخلاف اگر نظری وعملی سیاست غلط ہوگی ،تو حکومت کی قدر ومنزلت کی تنزلی کا راستہ ہموار ہوجائے گا۔مثال کے طور پر قاچار کے زمانے میں ایران ،آہستہ آہستہ اپنا اثر ونفوذ کھو بیٹھا۔[۷]

## بین الاقوامی تعلقات کے تشکیلی عناصر۸

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں کون لوگ بنیادی وعمومی یا بعبارت دیگر اصلی ومجازی کردار ادا کرتے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کے کارپرداز دوقسم کے ہوتے ہیں: اصلی وحقیقی یعنی حکومتیں ،اورذیلی ومجازی یعنی علاقائی (Regional) اور بین الاقوامی ادارے۔

حکومت(State)حقیقت میں سیاسی اداروں کی سب سے اعلیٰ شکل ہے ، جو قانونی ضابطوں اور خاص اصول کے ذریعے ان کے حوالہ کی گئی کسی ملک کی جائز طاقت کو،ملک کے دائرے میں نافذ کرتے ہیں۔حکومت ، طاقت اور اقتدار کے نفاذ کے وسائل کو اپنی اجارہ داری (Monopoly) میں رکھتی ہے اور اس کے قوانین ،اس کی ماتحتی میں رہنے والے تمام افراد کے لئے لازم الاجرا ہے۔حکومتیں زیادہ تر جاری اورمستمر ہوتی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے دوسری قوموں سے تعلقات قائم کرتی ہیں۔بین الاقوامی تعلقات میں ۔اس کے کلی مفہوم میں۔بھی زیادہ تر،حکومتیں، جو قوموں کی نمائندہ ہیں،کردار ادا کرتی ہیں۔

دوسری عالمی جنگ(Second World War) کے بعد سے اب تک ،ان کھلاڑیوں کی تعداد تقریباً تیں گنا ہوچکی ہے ۔جیسا کہ اقوام متحدہ کا منشور،اس زمانے کے بین الاقوامی نظام میں دوسری عالمی جنگ کے فاتح ،۵۸ مستقل ملکوں کے ذریعے لکھا اور دستخط کیا گیا،لیکن آج یہ تعداد ۱۹۰۲ تک پہنچ چکی ہے۔یہ ممالک ،چھوٹے بڑے رکن (Member)ہیں جو اپنے جغرافیائی— ارضی سیاسیات(Geopolitics) کے اعتبار سے ،بین الاقوامی منظرنامے پر ایک کردار ادا کرتے ہیں۔لیکن اصلی کھلاڑیوں کی اس باڑھ کے باوجود ،بین الاقوامی نظام میں کوئی محسوس تبدیلی نہیں کی گئی۔جس طرح ایک زمانے میں،دوبڑی طاقتیں(Super Powers)،روس اور امریکہ بین الاقوامی منظرنامے پر دو بڑی بااثر اور غاصب طاقت شمار ہوتی تھیں،اسی طرح آج بھی،حقیقت میں،بین الاقوامی تعلقات کے اصلی معمار اور منتظم وہی قابض طاقتیں ہیں،جو ہر ممکن طریقہ سے،چاہے بین الاقوامی اجلاس(Conference)اور تنظیمیں ہوں یا دوفریقی یا چندفریقی اقرار نامے (Agreements)ہوں،بین الاقوامی نظام کی نبض کو اپنے قبضے میں رکھے ہیں۔

حکومتیں اپنے آپ میں احساس وارادہ سے عاری ہوتی ہیں۔جو کچھ ان کی طرف منسوب

کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی کارکردگی ہے جنہوں نے سیاست دانوں(Politicians) اور فیصلہ کرنے والوں (Decision Maker) کا لباس پہن رکھا ہے۔البتہ وہ لوگ اپنے سیاسی کارناموں کے جواز کو ،حکومت اور گورنمنٹ (Government)کے قانونی اقتدار کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔بہ ہر حال یہ ان کے رجحانات(Tendencies) اور معنوی و مادی محرکات(Motives) ہیں جو ان کے کردار کو بناتے ہیں،وہ کردار جو فیصلہ لینے(Decision making) اور پالیسی سازیPolicy making کا باعث ہوتا ہے اور حکومت وقوم کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اصلی کھلاڑیوں کے ساتھ ساتھ،کچھ اور عناصر بھی ہیں جو بین الاقوامی تعلقات میں ذیلی و مجازی کردار ادا کرتے ہیں اور قومی حکومتوں کی درخواست پر،کچھ خاص اختیارات ،ادارتی صورت میں اور حقوقی ڈھانچے میں ،ان کے ذمہ کئے جاتے ہیں۔جیسے بین الاقوامی ادارے اور کثیر المالکی (Multinational) اور ملک پار(Transnational) کمپنیاں۔یہ کمپنیاں اورادارے اپنے آپ میں کوئی طاقت نہیں رکھتی ہیں، بلکہ وہ کام انجام دیتی ہیں جو ان کے رکن افراد چاہتے ہیں۔یہ سامنے کی بات ہے کہ حکومتوں کے درمیان موجود اختلافات ،دوستی اور رقابت ،ان گروپوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔جیسا کہ اقوام متحدہ میں بھی ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اس اہم ادارے کے تنازعات، تعطل (DeadLock)،ٹال مٹول اور انحراف(Deviation) کے شاہد ہیں۔حال حاضر میں بین الاقوامی تعلقات کے ایک عنصر کی حیثیت سے ،حقیقی افراد بھی،آہستہ آہستہ عالمی منظر نامے پر آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر،شہریت کے مسئلے پر ایک شخص آزاد ہے تا کہ خاص شرائط کے تحت،کسی ملک کی شہریت کو قبول کرے یا کسی ملک کی شہریت سے دستبردار ہوجائے۔

## بین الاقوامی تعلقات کی مختصر تاریخ

ایران ،ہندوستان،چین اور قدیم یونان سے ملی تحریریں اور اس زمانے کی سلطنتوں کے درمیان روابط ،اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پیدایش سے صدیوں سال پہلے،مفکرین اور بڑے فلسفی حضرات نے ،اقوام ،ملل،بادشاہوں اور حکمرانوں کے درمیان روابط کے سلسلے میں بعض نظریات پیش کئے تھے،جن میں کچھ نظریے آج بھی اہم اور معتبر ہیں۔

جیسے افلاطون اور ارسطو کی تحریریں،مشہور یونانی مورخ ''توسیدیز'' کی پانسیس (The Peloponnesian War) کی جنگوں کی تاریخ،چینی فلسفی کنفوشیس(Confucious) کا وصیت

نامہ، لاؤتسو (Laotse) کی تعلیمات، ہندوستانی مفکر کوٹلیہ کی تحریریں (۴۴۰ ق-م)، کتاب 'شہریار' یا 'شہزادہ' مصنفہ اطالوی سیاستداں میکیاولی (Machiavelle) (۱۴۶۹ء)، نظام الملک کا سیاست نامہ (۱۱ صدی عیسوی)، ابن خلدون کی تحریریں اور نظریات (۱۳۳۲ ہ.ق.-۱۴۰۶ء) اور بہت سے دوسرے مفکرین کی تحریریں، اس وقت بھی اہمیت کی حامل ہیں۔9

حضرت عیسیٰ کی پیدایش کے برسوں بعد، سنہ ۶۱۰ء میں اسلام کے طلوع ہونے سے عالم انسانیت بدل گیا۔ جس زمانے میں یورپ اپنے تعصب آمیز تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ، چالیس سال کے سن میں مبعوث ہوئے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (سورہ جمعہ:۲)

وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں ان ہی میں کا ایک رسول (محمد) بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب وعقل کی باتیں سکھاتے ہیں، اگر چہ اس کے پہلے تو یہ لوگ صریحی گمراہی میں تھے۔

حضرت محمدؐ ایسے دور اور ایسی جگہ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جو انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ زوال پذیر دور تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللہَ بَعَثَ مُحَمَّداً صَلی اللّٰہُ عَلیهِ وَ آلِهِ وَ سَلَّم نَذیراً لِلعالَمینَ ،و اَمیناً عَلی التَّنزیلِ،وَ اَنْتُم مَعْشَرَ العَرَبِ عَلی شَرِّدِینٍ،وَ فِی شَرِّ دَارٍ،مُنِیخُونَ بَینَ حِجارَةٍ خُشنٍ،وَ حَیاتٍ صُمٍّ،تَشْرَبونَ الْكَدِرَوَ تاكُلُونَ الجَشَبَ ،وَ تَسونَ دِماءَ كُم،وَ تَقْطَعُونَ اَرحَامَكُم،الاصْنامُ فِیكُم مَنصوبةٌ،و الآثامُ بكم مَعصوبَةٌ۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلامؐ کو لوگوں کو ڈرانے والا والا بنایا، تا کہ وحی الٰہی کے امین ہوں۔ جب تم قوم عرب بدترین دین کے حامل تھے اور بدترین مکان میں زندگی گزارتے تھے۔ غاروں، بڑے پتھروں اور خطرناک

زہریلے سانپوں کے درمیان ،شنوائی سے عاری زندگی گزارتے تھے،گندا پانی پیتے تھے،اور خراب غذا کھاتے تھے۔ایک دوسرے کا خون ناحق بہاتے تھے اور رشتے داریوں کو قطع کرتے تھے۔تمھارے درمیان بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور فتنہ و گناہ تمھارے وجود کو گھیرے ہوئے تھا۔[۱۰]

پیغمبر اسلامؐ اپنے جوانی کے دور میں ،بعثت سے قبل'' محمد امین'' کے نام سے مشہور اور '' حلف الفضول'' کے معاہدے میں شریک تھے۔مکے میں قیام پذیر قبیلوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ معاہدے کئے ہوئے تھے ،جن کے رو سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے تعرض سے محفوظ رہتا تھا۔لیکن اگر کوئی اجنبی شہر میں آتا تھا اور کوئی ظلم اس پر ہوتا تھا تو کوئی قبیلہ یا معاہدہ ایسا نہ تھا جو اس کی حمایت کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ بنی اسد بن حزیمہ کے قبیلے کا ایک فرد تجارت کی غرض سے مکہ آیااور بنی سہم کے کسی شخص نے اس کے مال کو خریدا ،لیکن اس کی قیمت ادانہیں کی۔

اسدی شخص نے قریش سے فریاد کی ،لیکن قریش والوں نے کہا کہ چونکہ تم ہمارے حلیف نہیں ہو،اس لئے ہم تمہا ری حمایت نہیں کر سکتے ہیں۔ اسدی شخص جب ہر طرف سے ناامید ہوگیا تو ابوقبیس کی پہاڑی پر گیا اور اپنی مظلومیت میں کچھ اشعار پڑ ہے اور قریش سے مدد مانگی۔ قریش والے پشیمان ہوئے اورعبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک معاہدہ کیا کہ آج کے بعد سے کسی اجنبی پر ظلم نہیں ہونے دیں گے ۔چونکہ یہ معاہدہ ،پچھلے معاہدوں اور وعدوں سے الگ تھا ، اس لئے اسے'' حلف الفضول'' کہا گیا۔[۱۱]

بعثت کے بعد تین سال تک لوگوں کو مخفی طریقے سے ،توحید کی اور شرک و بت پرستی سے دور رہنے کی دعوت دیتے رہے اوراس کے بعد (۶۱۳ء میں) اللہ کے حکم سے اپنی دعوت کو آشکار کردیا۔اس دعوت کو،اس زمانے کے عرب کی دو بڑی سیاسی اور اقتصادی طاقتیں ،یعنی قبیلوں کے سردار اور دولت مندوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔دعوت کا علنی ہونا،قریش کے شدید رد العمل اورنا قابل برداشت دباؤ(Pressure)کے ہمراہ تھا،جیسے ساتھیوں کو اذیت و آزار اوران کا قتل،شہر بدری ، اقتصادی ناکہ بندی(بعثت کے ساتویں سال کی ابتدا سے نیمۂ رجب ۱۰ بعثت ۔۶۱۷ سے ۶۱۹ تک)اور پیغمبرؐ کے ساتھیوں کا سیاسی بائیکات۔ یہاں تک کہ رسول خداؐ نے مکہ سے ''ہجرت'' اور ''پناہ'' (Asylum) کی بات پیش کی تا کہ مسلمانوں کی جان و ایمان محفوظ رہے۔لہٰذا ۵ بعثت (۶۱۵ م)میں

دس یا پندرہ لوگوں پر مشتمل پہلے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔کچھ عرصے بعد،جعفر بن ابیطالب کی سربراہی میں ،دوسرا گروہ بھی حبشہ کی جانب رواں ہوا جس میں ۸۲ سے زائدافراد تھے۔

لیکن حبشہ کیوں؟عرب اور دوسرے علاقوں کے حالات کا جائزہ لینے سے ،حبشہ کے انتخاب کی دلیل واضح ہوجائے گی:(۱) عرب آبادی والے علاقوں کی طرف ہجرت ،جہاں عموماً مشرک لوگ رہتے تھے ،خطرناک تھا،کیونکہ وہ لوگ قریش کی خوشامد یا اپنے آبا و اجداد کے دین سے لگاؤ کی وجہ سے،مسلمانوں کو قبول کرنے سے انکار کرسکتے تھے۔(۲)عرب کے عیسائی اور یہودی آبادی علاقے بھی،ہجرت کے قابل نہ تھے،کیونکہ وہ لوگ روحانی اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے لڑرہے تھے اور تیسرے رقیب کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔(۳) یمن،ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا اورایرانی حکام ،یمن میں مسلمانوں کے قیام کرنے پر راضی نہیں ہوسکتے تھے۔(۴) حیرہ بھی ،یمن کی طرح ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا۔(۵)شام مکے سے دورتھا،اس کے علاوہ شام اور یمن،قریش کے بازارشمار ہوتے تھے۔۱۲

حبشہ کا انتخاب پیغمبرؐ کی رای تھی۔چنانچہ آن حضرتؐ بادشاہ حبشہ نجاشی کے وصف میں فرماتے ہیں:''وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے ،کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے اور وہاں ،سچائی کی سرزمین ہے۔''اس طریقے سے پیغمبرؐ نے اپنی طاقت کا اظہار کیا اورمشرکین کے بڑھتے ہوئے دباؤ اورسخت ردعمل کے بحران کومسلمانوں کے حق میں حل کردیا اور یہ بیان کردیا کہ مسلمانوں کو ایک خاص علاقے کی آب و خاک کا پابند نہیں ہونا چاہئے ،اگر کوئی علاقہ مسلمانوں کو برداشت نہیں کررہا ہے اوروہاں مسلمانوں کی زندگی اور ترقی میں رکاوٹ ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس جگہ کو ترک اور مناسب علاقے کو اقامت کے لئے انتخاب کیا جائے:

إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (سورہ عنکبوت:۵۶)
میری زمین تو یقیناً کشادہ ہے تو تم میری ہی عبادت کرو۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (سورہ نحل:۴۱)
اور جن لوگوں نے (کفار کے) ظلم پر ظلم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لئے (گھر بار چھوڑا) اورہجرت کی ،ہم ان کو ضرور دنیا میں بھی

اچھی جگہ نچلا بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

سنہ ۱۲ بعثت (۶۲۱ء) میں ''عقبۂ اولیٰ'' کے معاہدے میں، پیغمبر اسلامؐ نے یثرب کے بارہ افراد سے ایک دینی، اخلاقی معاہدہ کیا۔ سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) کے زمانۂ حج میں، ''عقبۂ ثانی'' کے معاہدے کے ذریعے پیغمبرؐ نے یثرب کے پچھتر افراد سے سیاسی، سماجی معاہدہ کیا، جس کو ''بیعۃ الحرب'' ۱۳ بھی کہتے ہیں، کیونکہ اس معاہدے میں، اہل یثرب نے یہ عہد کیا تھا کہ پیغمبرؐ کے دوستوں کے دوست اور پیغمبرؐ کے دشمنوں کے دشمن رہیں گے، پیغمبرؐ کی حمایت کریں گے اور ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے۔ پیغمبرؐ نے بھی خود کو ان میں سے قرار دیا اور فرمایا: ''میرا خون تمہارا خون اور میری حرمت تمہاری حرمت ہے، میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔ جو تم سے جنگ کرے گا، اس سے میں جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح سے رہے گا، اس سے میں صلح سے رہوں گا۔'' اس معاہدے کے بعد ربیع الاوّل سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) میں پیغمبرؐ نے مکے سے یثرب (جس کا نام ہجرت کے بعد مدینۃ النبی پڑا) ہجرت فرمائی۔ ۱۴ اور اس کو ''اسلامی حکومت کا مرکز'' قرار دیا۔ آنحضرتؐ نے اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے کچھ اقدامات نجام دئے، جیسے:

(۱) عوامی حمایت اور مقبولیت کو اپنی طرف کرنا (عقبہ کے دونوں معاہدوں کے ذریعے)

## خطہ مدینے میں سماجی اتحاد کا قیام:

(الف) مہاجر و انصار کے مؤمنین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرنا: تا کہ حق کی راہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور موت کے بعد ایک دوسرے کی میراث پائیں۔ رسول خداؐ نے ''إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَة'' (حجرات:۱۰) کے حکم خداوندی سے، اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''تَآخُوا فِي اللهِ اَخَوَينَ اَخَوَينَ''۔ اللہ کی راہ میں دو دو ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرو۔ پس خود، حضرت علیؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: ''ھذا اخی''، البتہ رشتۂ اخوت سے قائم ہوا حکم میراث، جنگ بدر کے بعد سورۂ انفال کی آیت نمبر ۷۵ کے ذریعے منسوخ ہوگیا۔

(ب) پہلا عمومی معاہدہ یا پہلا اسلامی دستور (First Islamic Constitution): غیر مستقیم طریقے سے ایک ایسے معاہدے کے ذریعے قبائلی ڈھانچے میں تبدیلی، جس میں قبیلوں کے سامنے زیادہ وسیع میدان تھے اور اس میں معین کئے گئے سماجی حقوق، قبیلوں کے ذریعے مانے جا چکے

حقوق سے متعارض تھے،قبائلی زندگی کی تانے بانے(Texture)میں بنیادی تبدیلی کی راہ ہموار ہوئی۔ تنازعات کے تصفیہ کا نظام ،قبائلی نظام سے مختلف اور اس سے متعارض تھا۔اس معاہدے میں یہودیوں سے روابط کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔وہ لوگ جو دین الٰہی کے پیرو ، خاص اقتصادی مقام کے حامل تھے اور قریش سے بہت ہی قریبی تجارتی تعلقات رکھتے تھے،لہٰذا یہودیوں سے معاہدے میں ان کو''امت واحدۃ'' کا ایک جزء کہا گیا ہے۔اس معاہدے کی کچھ دفعات یہ ہیں:

(۱) مدینے میں مسلمان اور یہودی ایک قوم کی طرح زندگی گزاریں گے۔(۲)مسلمان اور یہودی اپنے مذہبی مراسم میں آزاد رہیں گے۔(۳)جنگ کے موقع پر، ہر ایک دوسرے کی،اس صورت میں کہ وہ حملہ آور نہ ہو،دشمن کے خلاف مدد کریں گے۔(۴)مدینے پر دشمن کے حملہ کی صورت میں ، دونوں گروہ ایک دوسری کی مدد سے ،شہر کا اور اس میں رہنے والوں کا دفاع کریں گے۔ (۵)اختلافات اور تنازعات کے پیدا ہونے کی صورت میں ،اختلاف کے رفع و دفع کے لئے آخری قاضی رسول خداؐ ہوں گے۔۱۵

## مسجد— مسلمانوں کی سماجی بنیاد(Social Base):

پیغمبر اسلامؐ کا مدینے میں پہلا اقدام،مسجد کی تعمیر تھا۔شروع شروع میں،مسجد نماز اورعبادت گاہ ہونے کے علاوہ، اموال غنیمت اور ٹیکس رکھنے کی جگہ بھی تھی۔نئی حکومت کا پہلا قید خانہ بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھا۔مسجد،ایک سماجی،سیاسی،تہذیبی،تعلیمی،عبادی،اعتقادی،اخلاقی اور قضائی جگہ تھی۔

## تفریق(Discrimination) کا خاتمہ:

اس عمل کو پیغمبر اسلامؐ نے رشتۂ اخوت کے قیام اور''اِنَّ اَکْرَمَکُم عِندَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ'' (سورہ حجرات:۱۳)''اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو'' کے مدنظر،دولت ،قبیلہ،چمڑے کا رنگ،نسل وغیرہ کو نظر انداز کرکے ، نئے انسانی روابط و تعلقات کو منظّم کرکے انجام دیا۔

## دینی حاکم سے متعلق امور کی رعایت:

لَقَد کانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ(سورۂ احزاب:۲۱)

بے شک رسول تمہاری زندگی کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

دینی حاکم کی حیثیت سے ،پیغمبر اسلامؐ کا کردار ،رہبری اور اسلامی سماج کی قیادت کا نمونہ (Pattern) ہے۔آن حضرتؐ نے اسلامی رہبری کے لئے مطلوبہ معیاروں کو پیش کیا ہے: عدالت، عوامی مقبولیت،اخلاقی کشش،عمل میں پیش قدمی،استقامت اور بردباری۔

**(۶)دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کی کوشش:**

**دعوت:** مسلّم اور منصوص اصولوں میں ایک اصل ،اللہ کی عبادت و پرستش کی دعوت بھی ہے۔

اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّکَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّکَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (سورہ نحل:۱۲۵)

(اے رسول)تم(لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقے سے جو (لوگوں کے) نزدیک سب سے اچھا ہو ۔اس میں شک نہیں کہ کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمھارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ زبردستی ان عقاید کو جو وہ حق جانتا ہے دوسروں پر تھوپے۔

لاَإِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَيِّ (سورہ بقرہ:۲۵۶)

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ،کیونکہ ہدایت،گمراہی سے (الگ ) ظاہر ہوچکی ہے۔

بلکہ حق کے بیان اور حق و باطل میں تمیز کے بعد، بشر کو عالمانہ انتخاب کی دعوت دیتا ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي (سورہ یوسف:۱۰۸)

ان سے کہہ دو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں (لوگوں کو) خدا کی طرف بلاتا ہوں ۔میں اور میرا پیرو (دونوں) مضبوط دلیل پر ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ اپنے اقربا کو اور مکہ، یثرب، طائف اور قرب و جوار کے قریوں میں رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دینے کے علاوہ، سنہ ۷ ھ.(۶۲۹ ء) میں کچھ سفیروں کے ذریعے اپنے پیغام کو، دوسرے چھوٹے بڑے قبیلوں اور ملکوں کے سربراہوں تک پہنچایا، ان میں سے کچھ اہم نام یہ ہیں:

(۱) **ساسانی بادشاہ خسرو پرویز**— عبداللہ بن حذافۂ سہمی کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو فارس کے کسریٰ کے نام سے یاد کیا اور اس درخواست کی کہ اللہ کی وحدانیت اور آن حضرت کی نبوت کی گواہی دے، ورنہ مجوسیوں کے گناہ اس کے ذمے ہوں گے۔ کسریٰ نے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے عامل، باذان کو حکم دیا کہ پیغمبرؐ کو توبہ پر مجبور کرے، ورنہ حضرت کے سر کو اس کے پاس بھیج دے۔

(۲) **مصر کا بادشاہ مقوقس**، حاطب بن ابی بلتعہ کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو 'عظیم القبط' کے لقب سے یاد کیا۔ اس نے ادب و احترام سے خط کو پڑھا اور حاطب کا استقبال کیا۔ رسول خداؐ کو ایک خط لکھا اور دو کنیز کے ساتھ، جن میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں، حضرت کے لئے بھیجا۔

(۳) **قیصر روم ہرقل(Hercules)**، دحیۃ بن خلیفۃ کلبی کے ذریعے: قیصر روم جو ایسے پیغمبر کے ظہور کا منتظر تھا، آن حضرت کے خط کا جواب احترام اور کچھ تحفوں کے ساتھ دیا، لیکن بادشاہی کے چھن جانے کی ڈر سے اسلام قبول نہیں کیا۔

(۴) **حبشہ کا بادشاہ نجاشی**، عمر بن امید ضمری کے ذریعے: نجاشی مسلمان ہوگیا اور رسول خداؐ سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے، آن حضرتؐ کے لئے کچھ تحفے بھیجے اور مسلمان مہاجروں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا۔

(۵) **غسانی شام کا حاکم حارث بن ابی شمر**، شجاع بن وہب کے ذریعے: وہ قیصر روم کی جانب سے دمشق اور اس کے نواح پر حکومت کرتا تھا اور اس کا دار السلطنت جولان تھا۔ خط میں استعمال کی گئی تعبیروں سے بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ ایک سپاہ کے ساتھ ان کی طرف آئے گا، اگر چہ وہ یمن میں ہوں۔

(۶) **حاکم یمامہ ہوزۃ بن علی حنفی**، سلیط بن عمرو کے ذریعے: اس نے پیغمبرؐ کے جواب میں جو اس سے اسلام قبول کرکے اپنی حکومت محفوظ رکھنے کی بات فرمائی تھی، لکھا: عرب میرے لئے بہت احترام کے قایل ہیں، بہتر یہ ہے مجھے اپنے کام میں شریک کرلو تا کہ میں تمہاری اطاعت کروں۔

(۷) حاکم بحرین **منذر بن ساوی**: (یہ خط سنہ ۸ ھ. میں بھیجا گیا)۔[۱۶] رسول خداؐ کے

جواب میں لکھا: میں نے آپ کے خط کو بحرین کے لوگوں کے سامنے پڑھا ،کچھ لوگوں نے اسلام کو پسند کرکے قبول کرلیا اور کچھ نے قبول نہیں کیا۔میری حکومت میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں ،اگر ان کے بارے میں کوئی حکم ہوتو فرمایئے۔۱۷

(۸) یمن کے بادشاہ حارث حمیری کو بھی خط لکھا۔۱۸

**''جہاد''**:اسلام میں جنگ بذات خود امرمطلوب (Desirable Matter )نہیں ہے، بلکہ پہلا اصول،اسلام کی دعوت دینا ہے۔رسول خداؐ کی سیرت پاک سے بھی یہ بات ظاہر ہوتیہے کہ آن حضرت نے کبھی اسلام کی تبلیغ کے لئے جنگ نہیں کی ، بلکہ اپنے اوپر کفار کی تھوپی ہوئی جنگوں میں بھی آن حضرت خون خرابہ سے پرہیز کے لئے،تمام ممکنہ طریقے اور وسائل کا استعمال کرتے تھے۔ اسلام کے ارشادی حکمت عملی (Strategy)کے دائرے میں،جہاد آخری حربہ ہے۔شیعہ وسنی دونوں فریق،جہاد کو اسلام کا ایک مسلّم اصول مانتے ہیں،کیونکہ قرآن میں اس کی تصریح و تاکید ہوئی ہے۔جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (سورہ توبہ:۷۳)

اے نبی کفار ومنافقین سے جہاد کرو۔

اسلام کی جنگیں دوقسم کی ہیں :

۱۔دفاعی جنگ جس میں مسلمان ،دشمن کے حملوں کے سامنے ،اپنا دفاع کرتے تھے اور پیغمبرؐ کے دور کی اکثر جنگیں اسی نوعیت کی تھیں۔جیسے غزوۂ خندق (۵ھ/۶۲۷ م)۔

۲۔آزادی دلانے والی جنگیں جو کسی معاشرے کے افراد کو ظلم وستم سے نجات دلانے اور ان لوگوں کو کچلنے کے لئے انجام پائی ،جو اسلامی پیغام کو عوام کی سماعتوں تک پہنچنے میں حائل تھے۔جیسے فتح مکہ(۸ھ/۶۳۰ء)۱۹

پیغمبر اسلامؐ قرآنی ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ، اسیروں سے اچھا برتاؤ فرماتے تھے اور اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کے علمی سطح کو بڑھانے کی غرض سے ،اگر کوئی اسیر ایمان لے آتا تھا یا دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھادیتا تھا تو آزاد کردیا جاتا تھا۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنْ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمَ اللهُ فِي قُلُوبِكُمْ

خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ
(سورہ انفال:۷۰)

اے رسول جو قیدی تمھارے قبضے میں ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر خدا تمہارے دلوں میں نیکی دیکھے گا ،تو جو (مال) تم سے چھین لیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر تمہیں عطا فرمائے گا۔اور تمہیں بخش بھی دے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

پیغمبر کے گہر بار دور حیات میں بہت سی غزوات اور سرایات ہوئیں ، ان کی مجموعی تعداد ۸۱/ ہے۔۲۰ جیسے غزوہ بدر(۲ ھ/ ۶۲۴ء)،غزوۂ احد(۳ ھ/ ۶۲۵ ء)،غزوۂ بنی نضیر(۴ ھ/۶۲۶ء)،صلح حدیبیہ(۶ ھ/ ۶۲۸ ء)،سریۂ ذات سلاسل(۸ ھ/ ۶۳۰ ء)،غزوۂ تبوک(۹ ھ/ ۶۳۱ ء)۔

دیگر رہبروں کی طرح،( حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین اور وزیر منتخب کیا) پیغمبر اسلامؐ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنے جانشین اوروصی کی حیثیت سے منتخب فرمایا اور مکرراً مختلف مجلسوں میں اس کو بیان فرمایا اور اس پر تاکید کی۔ بعثت کے ابتدائی دور میں ،اپنے اقرباء کی دعوت اور حجۃ الوداع کے واقعۂ غدیرخم (۱۰ ھ. ۶۳۲ء) میں آن حضرت کا بیان اور اس بات کی تائید ،اس کے کھلے ہوئے مثال ہیں۔۲۱

اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں یعنی ایران و روم سے پیغمبر اسلامؐ کے تعلقات ،خط و کتابت سے آگے نہ بڑھ سکے، ہر چند ایران کی بعض نوآبادیوں جیسے یمن ،اسلام کے حدود میں داخل ہوگئے تھے۔ جنگ تبوک میں مسلمانوں نے، روم کے لشکر کا سامنا کیا۔اسی طرح حیات رسولؐ کے آخری ایام میں (۱۰ ھ.کے اواخر ۶۳۲/ ء)،جیش اسامہ رومیوں سے جنگ کے لئے تیار ہوا تھا۔لیکن پیغمبرؐ کے بعد ،مسلمانوں نے ایرانیوں سے جنگ کی، بہت سے فتوحات حاصل کئے اور ساسانیوں کی حکومت کو ختم کرکے ،ان کو اسلامی حکومت کے ماتحتی میں کردیا۔رومیوں سے بھی کئی بار جنگ کی اور کئی بار ایک دوسرے کے قیدیوں کا تبادلہ کیا،اورقسطنطنیہ تک پیش قدمی کی۔سنہ ۹۲ ھ. (۷۱۲ ء)میں اندلس(آج کا اسپین) کی سرزمین میں داخل ہوئے۔سنہ ۱۱۲ ھ. (۷۳۱ ء)میں جزیرۂ سیسیلی (Sicily) کو فتح کیا ۔۲۲ دوسری طرف اسلام کا جھنڈا ، ہسپانیا سے لیکر دیوار چین تک لہرانے لگا۔

دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کی ابتدا میں (نویں صدی عیسوی)،اسلام کی وسیع وعریض خطہ پر تین حکومتیں تھیں لیکن افسوس وہ ایک دوسرے سے متحد نہ تھیں،ہر ایک خلافت کی مدعی اور ایک دوسرے سے نزاع و جنگ میں مصروف تھی۔ایک عباسی سلطنت،دوسری فاطمی حکومت اور تیسری اندلس کے امویوں کا راج۔

زمانے کے حالات(Circumstances)کو ذہن میں رکھتے ہوئے ،آیات قرآنی اور احکام الٰہی پر ایک نئی اور قید مکان و زمان سے آزاد اورسیع نظراور عالمی تحولات کو مدنظر رکھتے ہوئے،صدیوں کے عرصے میں،آج اسلام پھیل چکا ہے اور دنیا کے دیگر ملکوں کے توازن میں ،ہر اسلامی ملک ،ایک طرح کی مستقل حکومت کا مالک ہے۔

اوپر بیان کی گئی باتوں سے معلوم ہوتاہے کہ صدیوں پہلے بعثت سے قبل یا بعثت کے بعد،پیغمبر اسلامؐ نے ایسے قوانین وحقوق کو جاری کیا ،جو حالیہ دو صدیوں میں،بین الاقوامی تعلقات میں سامنے آرہے ہیں اور ان پرعمل کیا جارہا ہے۔جیسا کہ ژاک ریزلر کہتے ہیں:

''پانچ صدی کے عرصے میں ،اسلام اپنے برتر علم وتہذیب کی طاقت کے بدولت،اس زمانے کی دنیا پر حاوی رہا اور اسلامی نظریات کو یونان کے علوم وفلسفہ کے گنجینوں سے مکمل کرنے کے بعد، ان کو یورپ میں منتقل کیا۔اسلامی تمدن کا پھیلاؤ ،یورپیوں کے افق فکر پر چھا گیا تھا اور ان کی فکر اور علمی حیات کے چشم انداز پر چمک رہا تھا۔''[۲۳]

بین الاقوامی تعلقات کا علمی صورت میں آغاز ،سنہ ۱۶۶۸ ء بتایا گیاہے ۔[۲۴] پہلی عالمی جنگ سے پہلے ،تاریخ ،حقوق اور فلسفے کے کالجوں میں ،بین الاقوامی تعلقات کی تدریس ہوتی تھی اور فلسفی حضرات ،انسانی فطرت،جنگ ،صلح اور عدالت پر گفتگو کرتے تھے۔[۲۵] اسی طرح سنہ ۱۹۱۹ء میں،ویلز(Wales) یونیورسٹی میں ،پہلی بار بین الاقوامی تعلقات کا شعبہ بنایا گیا۔[۲۶] سنہ ۱۶۴۸ء وسٹفالی کے معاہدے کے ذریعے ،سیاسی ڈھانچہ ،پہلے سلطنت سے ملک اور حکومت ،اور بعد میں بین الاقوامی نظام میں تبدیل ہوگیا۔

چنانچہ یورپ کی تاریخ میں ،سنہ ۱۶۴۸ ء سے ۱۹۱۴ ء کا عرصہ، ڈپلومیسی (Diplomacy) طاقت کے توازن ( Balance of Power)،اتحاد اور بین الاقوامی حقوق کے سنہرے دور کے نام سے جانا جاتا ہے۔[۲۷] لہٰذا طاقت کے توازن کو بنانے کے لئے ،پہلا بین الاقوامی نظام،ایک

دوسرے سے رقابت کرنے والی پانچ بڑی طاقتوں کے ذریعے ایجا د ہوا۔پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۸ء۔ ۱۹۱۴ء) اور اس کے بعد دوسری عالمی جنگ(۱۹۴۵ء۔۱۹۴۰ء)نے بہت تاخیر سے، سیاسی مفکرین کو اس میدان سے واقف کرایا۔

جنگ سے نفرت اور جنگ کی ممنوعیت کے لئے بین الاقوامی اجلاس کی تشکیل،تخفیف اسلحہ (Disarmament) اوربعض جنگی اوزاروں اور اسلحوں کے استعمال کی محدودیت کی وجہ سے، سنہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۵۳ء کے بیچ کے عرصے کو'' طولانی نا جنگی وقفہ'' کہتے ہیں۔اس عرصے میں دنیا میں دوقطبی نظام وجود میں آیا جس میں شرق وغرب میں دو بلاک(Block)(امریکہ اور روس) تھے اور ہر بلاک میں ایک ایک سوپر پاور کی سرپرستی میں چند بڑی طاقتیں تھیں۔

سنہ ۱۹۹۱ء میں روس (U.S.S.R)کے بکھرنے سے ، نیا عالمی نظام یعنی تہذیبوں کے درمیان تعلقات ،اور غیر دستوری صف بندی کا بین الاقوامی نظام وجود میں آیا،جس میں طاقتوں کے مراتب پانچ درجوں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظام کی صورت میں وجود میں آئے: سپر پاور(Super Power)،بڑی طاقت ،وسطی طاقت،چھوٹی طاقت اور بالکل چھوٹی طاقت۔۲۸

**حوالے:**

۱۔علی اصغر کاظمی،روابط بین الملل در تئوری و درعمل،ج ۲ ،(تہران:انتشارات قومس، ۱۳۷۳)،ص ۲۳ اور ۲۴۔

۲۔ایضاً،ص ۲۴۔

۳۔ایضاً،ص ۱۲۵،۲۶

۴۔ایضاً،ص ۴۱

۵۔ماہرین کے نظریہ کے مطابق ، بین الاقوامی تعلقات کی یہ بہترین تعریف ہے جوفراہلیون کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔

۶۔احمد نقیب زادہ،نظریہ ہای کلان روابط بین الملل ،(تہران:انتشارات قومس، ۱۳۷۳)،ص ۲۴.

۷۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،(تہران:انتشارات دادگستر، ۱۳۷۳)،ص ۲۰۔۲۱

۸۔علی اصغر کاظمی ،روابط بین الملل در تئوری و درعمل،ایضاً،ص ۸۵ ۔۹۸۔/۱۰۴زنجیرۂ تنازعی در سیاست و روابط بین الملل ،(تہران:انتشارات قومس ،۱۳۷۰)،ص ۱۳۲الی ۱۴۷.

۹۔علی اصغر کاظمی،روابط بین الملل در تئوری وعمل،ایضاً،ص ۲۸ و۲۹

۱۰۔نہج البلاغہ،ج ہفتم،محمد دشتی،(قم:انتشارات مشرقین،۱۳۷۹)،خطبہ ۲۶،ص ۷۲ ۔۷۳.

۱۱۔جعفر شہیدی،تاریخ تحلیلی اسلام،ج ۱۷،(تہران:نشر دانشگاہی، ۱۳۷۳)،ص ۳۹.

۱۲۔جعفر سبحانی،فراز ہایی از تاریخ پیامبر اسلام،ج چہارم،(تہران،انتشارات مشعر،۱۳۷۴)،ص ۱۲۸ ۔۱۲۹
۱۳۔جعفر شہیدی،ایضاً،ص۵۶.
۱۴۔یہ ہجرت خود پیغمبرؐ کے ذریعے تاریخ اسلام کا مبداء قرار پایا۔
۱۵۔علی اصغر نصرتی،نظام سیاسی اسلام،(قم:انتشارات امام عصرعج،۱۳۸۲)،ص ۱۸۱۔۱۸۲.
۱۶۔مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران،(علی شریعتی ،مقالہ از ہجرت تا وفات)،ایضاً،ص ۳۱۱/
۱۷۔علی نصرتی،ایضاً،صص ۱۸۹/تا ۱۹۱/
۱۸۔مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران،ایضاً،ص ۳۰۷/
۱۹۔یعقوب جعفری،مسلمانان در بستر تاریخ، ج دوم ،(تہران،دفتر نشر فرہنگ اسلامی،۱۳۸۰)،ص ۳۶.
۲۰۔پیغمبرؐ کے غزوات کی تعداد سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔صاحب امتاع الاسماع ، ان کی تعدادکو ۳۴ جانتے ہیں،طبقات ابن سعد میں ۲۷،مروج الذہب میں ۲۶ یا ۲۷ کی تعداد بیان ہوئی ہے ایک قول کے مطابق ۲۹ غزوہ ہے۔البتہ بعض لوگوں نے خیبر اور وادی القریٰ کو ایک ہی مانا ہے۔
۲۱۔علی نصرتی،ایضاً،ص ۱۹۳.
۲۲۔یعقوب جعفری،ایضاً،ص ۵۶۔۵۷.
۲۳۔فخر الدین حجازی،نقش پیامبران درتمدن انسان ،ج دوم ،(تہران :انتشارات بعثت ،۱۳۵۸)،ص ۱۴۰.
۲۴۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،ایضاً،ص ۱۹.
۲۵۔کارل دویچ،رابرت کیوہین و غیرہ،نظریہ ہای روابط بین الملل،ج ۱،وحید بزرگی،(تہران:انتشارات ماجد،۱۳۷۵)،ص ۱۰۱.
۲۶۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین الملل (الف و ب)،ایضاً، ایضاً
۲۷۔حسین سیف زادہ،نظریہ ہای مختلف در روابط بین الملل ،ج ۳،(انتشارات سفیر،۱۳۷۲)،ص ۱۸.
۲۸۔حسین سیف زادہ،اصول روابط بین المللی (الف و ب)،ایضاً،ص ۷۹۔۸۰